بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حکم و عبر

قرآن کریم میں اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جسے حکمت عطا کی گئی، اسے خیر کثیر عطا کی گئی - بالفاظ دیگر از روئے قرآن حکمت و دانائی کا کسی بندے کو عطا کیا جانا "خیر کثیر" عطا کئے جانے کے مترادف ہے - اس اہم قرآنی صراحت کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم اس کے جملہ مضمرات پر غور کریں اور بالخصوص یہ بات جاننے کی کوشش کریں کہ حکمت کا اصل مفہوم و معنیٰ کیا ہے -

یہ امر تمام اصحاب فکر کے نزدیک مسلم ہے کہ جو صلاحیت انسان کو دوسری تمام ذی حیات مخلوقات سے ممیز کرتی ہے وہ اُسکی تعقل و تفکر کی صلاحیت ہے - یعنی انسان اپنی داخلی کیفیات اور خارجی احوال و ظروف کا صرف شعور و احساس ہی نہیں رکھتا بلکہ ان کا علم علّت و معلول، تعمیم اور دوسرے منطقی رشتوں کے حوالے سے کرتا ہے یعنی وہ ان کا اُدراک کرتا ہے - یا یوں کہیئے کہ وہ مختلف واقعات و موجودات کو انکے پورے سیاق و سباق، ماله اور ماعلیہ کی تفصیلات اور نہائی غایتوں (ULTIMATE PURPOSES) کی تفہیم کے ساتھ کرتا ہے - وہ ہر چھوٹی اور حقیر شئے کے بارے میں بھی یہ سوال اٹھاتا ہے کہ اس کا ماخذ و منبع کیا ہے، کون سے عوامل اس کی ترقی یا تنزل میں کارفرما ہیں اور بالآخر اس پوری کائنات کی سکیم میں کیا رول ادا کرتی ہے - یہاں یہ بات بھی کہی جا سکتی ہے کہ اس اعتبار سے سائنسدان کو بھی حکمت کا متلاشی کہا جا سکتا ہے - کیونکہ وہ بھی مختلف اشیاء، عناصر اور کائنات کی ماہیت و حقیقت کو سمجھنا چاہتا ہے - لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ بات تمام سائنسدانوں اور ماہرین علم طبیعیات و فلکیات کے بارے میں صحیح نہیں ہے - کیونکہ ان میں سے اکثر کی توجہات عملی مسائل سے متعلق ہوتی ہیں اور وہ اشیاء کی تفہیم سے زیادہ ان کے عملی استعمالات

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

وفوائد میں زیادہ دلچسپی لیتے ہیں - ان کا ہدف بالعموم یہ ہوتا ہے کہ وہ قدرتی قوانین کو دریافت کریں، عناصر کی خوابیدہ قوتوں کو مبرہن کر کے انہیں عملی استعمال میں لائیں اور اس طرح انہیں انسانی زندگی کے لئے سہولت و آسائش کا باعث بنائیں - اگرچہ اس میں شک نہیں کہ تاریخ انسانی میں بعض نامور سائنسدان ایسے بھی ہوئے ہیں جو سائنس کے محدود دائرہ کار سے نکل کر حقیقت کے بارے میں ایک مابعد الطبیعاتی رائے قائم کرتے ہیں - اور اشیاء و عناصر کی ابتدا اور انتہا اور غایت اولیٰ کے بارے میں سوچ بچار کرتے ہیں اور اسطرح وہ یقیناً حکماء اور فلاسفہ کے زمرے میں آتے ہیں -

سطور بالا سے ایک بات یہ واضح ہوئی کہ حکمت کا تعلق صرف ذہانت (INTELLIGENCE) اور عملی مہارت (PRACTICAL SKILL) سے نہیں - بلکہ اصلاً اس کا تعلق فلسفیانہ غور و فکر اور مابعد الطبیعاتی تفہیم سے ہے۔ ثانیاً حکمت و بصیرت ایک انتہائی جامع اور بسیط تصور ہے کائنات اور انسانی زندگی کے تمام پہلو اور تفاصیل اس کے ذیل میں آتی ہیں - چنانچہ اس نقطہ نظر سے خود مذہبی عقائد کے بارے میں قرآن کا موقف یہ ہے کہ انہیں پورے شعور اور غور و فکر کے ساتھ اپنایا جائے - دُنیائے عیسائیت کی طرح کا اندھا عقیدہ (BLIND FAITH) قرآن کو مطلوب نہیں ہے - قرآن کریم عقائد اور احکام کی تفصیلات کے ساتھ ساتھ ان تمام کی غرض و غایت پر بھی روشنی ڈالتا ہے - جس سے ظاہر ہے کہ اس کا مقصد واضح طور پر یہ ہے کہ ایک مومن پورے اطمینان قلب اور عقلی بصیرت کے ساتھ ان عقائد و احکام کو مانے - اور انکی حیثیت قطعاً بے عقل یا خلاف عقل قضایا (DOGMATIC PROPOSITION) کی نہ ہونی چاہیئے -

لیکن دوسری طرف ہمیں یہ حقیقت بھی ذہن میں رکھنی چاہیئے کہ جس حکمت کی طرف قرآن نے اشارہ کیا ہے وہ دُنیائے فلسفہ کے تعقل و تفکر محض کے مترادف نہیں ہے - بالخصوص مغربی فلاسفہ میں تحلیلی اور ایجابی نقطہ نظر رکھنے والے مفکرین نے اٹھارویں، انیسویں اور بیسویں صدی میں فکر و دانش

© rasailojaraid.c

کی حدود کو سیکڑنے کا عمل مسلسل جاری رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عصرِ حاضر میں کم از کم انگریزی دان فلسفیوں کے ہاں اب صورت حال یہ ہے کہ بہت سی فلسفیانہ اصطلاحیں جو ماضی میں انتہائی گہرے اور وسیع مفہوم رکھتی تھیں۔ اب فضول اور لایعنی کہہ کر رد کر دی جاتی ہیں۔ حکمت یا WISDOM کا لفظ بھی اسی نوع سے تعلق رکھتا ہے۔ چنانچہ لسانی اور تحلیلی مفکرین کی نگارشات میں ہمیں لفظ 'حکمت' پر بالعموم کوئی بحث نہیں ملتی۔ بلکہ اسے تحلیلی اور منطقی فکر یا مختلف تعقلات کی جانچ پرکھ سے متعلق ایک علمی کاوش تک محدود کر دیا جاتا ہے۔ اس زاویہ نگاہ کا اثر فلسفہ مذہب پر بھی ہوا۔ نتیجتاً جدید مفکرین کے خیال میں مذہب اور مذہبی عقائد صرف چند مذہبی اور مابعدالطبیعاتی تصورات اور تعقلات کا مجموعہ بن کر رہ گئے۔ اور تمام کاوش اس بات پر صرف کی گئی کہ آیا یہ تعقلات اور تصورات عقلی اور منطقی اعتبار سے قابل قبول ہو سکتے ہیں یا نہیں۔ اس طرح مذہب کے دوسرے اہم پہلو ان کی نظروں سے بالکل اوجھل ہو گئے۔ مثلاً مذہبی عقائد کا انسان کے وجودی و جذباتی احساسات کے ساتھ تعلق و ربط، اس اعتبار سے مذہب صرف چند مابعدالطبیعاتی قضایا کا مجموعہ ہی نہیں بلکہ انسان کے انتہائی اہم آفاقی احساسات کا جواب اور ان کو مربوط شکل میں پیش کرنے کی سعی کا نام ہے۔ انیسویں صدی کی دنیائے عیسائیت میں اس اہم حقیقت کی طرف کرکیگارڈ نے توجہ مبذول کروائی، جب ہیگل کے فلسفہ کے تحت مذہب بے جان اور خشک منطقی قضایا کا تانا بانا بن کر رہ گیا تھا۔ کرکیگارڈ نے اپنی کئی تصانیف میں انتہائی مؤثر انداز میں یہ واضح کیا کہ مذہب بنیادی طور پر خدا اور بندے کے درمیان ربط و تعلق کا نام ہے اور اس میں عقلی تعقلات سے زیادہ جذبات اور احساسات کو دخل حاصل ہے۔

راقم الحروف کے خیال میں قرآنی نقطۂ نظر بھی مؤخرالذکر فلسفیانہ مکتب فکر کے قریب تر ہے۔ کیونکہ قرآن میں بعض اہم مقامات پر جہاں ایمان کی حقیقت اور اس کے استدلال کے بارے میں آیات آئی ہیں، تفکر کے ساتھ ذکر کی بات بھی کی گئی ہے یعنی از روئے قرآن صرف وہی فکر رسا ہو سکتا ہے اور رب

© rasailojaraid.com

کائنات کی طرف صحیح طور پر راہنمائی کرسکتا ہے جس میں تفکر کے ساتھ ساتھ ذکر کا انتہائی اہم عنصر بھی شامل ہو۔ چنانچہ سورۂ آل عمران کی آیت نمبر ۱۹۰-۱۹۱ میں ارشاد فرمایا:

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِأُولِي الْأَلْبَابِ ۝ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللّٰهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلٰى جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ج رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ج سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ط

ترجمہ: بے شک آسمانوں اور زمین کی خلقت اور رات اور دن کی آمد و رفت میں اہل عقل کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں، ان کے لئے جو کھڑے بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر خدا کو یاد کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی خلقت پر غور کرتے ہیں۔ ان کی دعا یہ ہوتی ہے کہ اے ہمارے پروردگار! تو نے یہ کارخانہ بے مقصد نہیں پیدا کیا ہے۔ تو اس بات سے پاک ہے کہ کوئی عبث کام کرے۔ سو تو ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔

اس آیت قرآنیہ سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ از روئے قرآن، فکر اور ذکر، باہم دگر متعلق ہیں۔ علامہ اقبال نے اس حقیقت کو ایک شعر میں بڑے خوبصورت انداز میں سمویا ہے ؎

فقرِ قرآں اختلاطِ ذکر و فکر
فکر را کامل نہ دیدم جز بہ ذکر

© rasailojaraid.com